وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ
رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

ذوالنّورین

مصنّفہ

محمد علی۔ امیر جماعت احمدیہ و مصنف تفسیر بیان القرآن اردو
ترجمۃ القرآن انگریزی۔ جمع قرآن۔ مقام حدیث۔ النبوۃ فی الاسلام
سیرت خیر البشر۔ وغیرہ وغیرہ

جسکو

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

نے

مطبع کوآپریٹو سٹیم پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام میاں فیروز الدین صاحب منیجر چھپوا کر شائع کیا

قیمت　　　　بار دوم　　　　تعداد طبع ۳۰۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلوٰۃ والسلام

واصحابہ اجمعین

۱۔ ابتدائی حالات

اسلام سے پیشتر نام عثمان، کنیت اسلام سے پہلے ابو عمرو اور اسلام کے بعد ابو عبداللہ[1]۔ ذوالنورین[2] لقب تھا۔ والد کا نام عفان اور ماں کا نام اروی تھا۔ سلسلہ نسب پانچویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ خاندان قریش میں ان کا قبیلہ بنو امیہ کے نام سے مشہور ہے اور یہی پہلا خاندان تھا جو خلافت راشدہ کے زمانہ کے بعد اسلامی

---

[1] عبداللہ حضرت عثمان کے اس صاحبزادے کا نام تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ صاحبزادہ چھ سال کی عمر میں وفات پا گیا +

[2] یعنی دو نوروں کا مالک۔ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کی طرف ہے جو یکے بعد دیگرے حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں +

سلطنت کا مالک ہوا اور قریباً ایک سو سال تک کل سلطنت اسلامی ان کے زیرنگین رہی۔ ابوسفیان جس نے کئی سال تک قریش اور دوسری قوموں کو ساتھ لیکر رسول اللہ صلعم پر حملے کئے اور آخر فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوا اسی خاندان کا ایک سرکردہ رکن تھا۔ اسلام سے پیشتر بھی یہ خاندان قریش میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اور قریش کا قومی جھنڈا انہی کے قبضہ میں تھا۔ حضرت عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سال چھوٹے تھے اور واقعہ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی فطرت میں نیکی اور سعادت تھی لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ جوانی میں تجارت کا کاروبار کرتے اور صاحب ثروت تھے اپنی دیانت اور امانت کی وجہ سے خاص عزت رکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے۔

اسلام لانا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت عثمان کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ پہلے پہلے حضرت ابوبکر نے انہیں پیغام اسلام پہنچایا۔ ایک دن حضرت عثمان اور طلحہ بن عبید اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ اس وقت

کا واقعہ ہے جب ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر نہیں گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام کو پیش کیا اور قرآن کریم پڑھ کر سنایا۔ اور بتایا کہ اسلام کے حقوق کیا ہیں اور اسلام کس بلند مقام پر انسان کو پہنچاتا ہے تو دونوں نے اسلام قبول کیا۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان نے یہ بھی عرض کیا کہ میں ابھی شام سے واپس آرہا ہوں۔ راستے میں ایک جگہ ہم کچھ سوئے ہوؤں کی طرح تھے کہ ایک آواز آئی اے سونے والو اٹھو کہ مکہ میں احمد کا ظہور ہو گیا ہے چنانچہ ہم یہاں آئے تو آپ کے متعلق سنا[1] حضرت عثمان کا خاندان یعنی بنو امیہ قریش میں ایک ہی خاندان تھا جو بنو ہاشم کے مقابل پر تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کے بڑے بڑے افراد جیسے عقبہ بن معیط اور ابوسفیان رسول اللہ صلعم کے سخت مخالفین میں سے تھے مگر حضرت عثمان نے ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کی اور جب حق نظر آگیا تو فوراً داخل اسلام ہو گئے۔ ان کے چچا حکم کو ان کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو ان کو رسیوں کے ساتھ باندھ دیا اور کہا کہ

---

[1] طبقات ابن سعد جز ۳ صفحہ ۳۷

جب تک تم اس نئے دین سے توبہ نہ کروگے میں تمہیں کبھی نہ کھولوں گا
حضرت عثمان نے کہا میں اس دین کو اب قیامت تک نہیں چھوڑ سکتا
تم جو چاہو کرو۔

ہجرت حبش حضرت عثمان کو اسلام لائے ابھی زیادہ وقت نہ گذرا
تھا کہ ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی
رقیہ کو جن کا نکاح اس سے ہوا تھا طلاق دلوادی اور آپ نے اس کا
نکاح حضرت عثمان سے کر دیا۔ جب مسلمانوں کی تکلیفیں حد سے بڑھ
گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبش میں ہجرت کر جانے
کا مشورہ دیا تو حضرت عثمان اپنی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ کیساتھ
سب سے پہلے ہجرت کرنیوالوں میں سے تھے حبش میں غالباً کئی
سال تک حضرت عثمان رہے اور پھر مکہ میں ہی واپس آگئے اور
بالآخر یہیں سے دوبارہ دوسرے صحابہ کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔

اسلامی خدمات مدینہ تشریف لے جانے کے بعد حضرت عثمان کی
خدمات اسلامی نے وہ ممتاز رنگ اپنے اندر پیدا کیا کہ مالی اعانت کے
لحاظ سے سوائے حضرت ابوبکر کے سب پر فوقیت لے گئے۔ مدینہ میں

میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جس کو بئر رُومہ کہتے تھے جب مسلمان
مدینہ میں آئے تو یہ کنواں غیر مسلموں کے قبضہ میں تھا۔ اور مسلمانوں کو
وہاں سے قیمتاً پانی ملتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں
کی اس تکلیف کو محسوس کر کے اپنی یہ خواہش ظاہر فرمائی کہ کوئی مسلمان
اسے خرید کر وقف کر دے تو حضرت عثمان نے اسے خرید کر وقف کر
دیا[1] ایک بیان کے مطابق یہ کنواں حضرت عثمان نے بیس ہزار
درہم پر اور ایک کے مطابق پینتیس ہزار درہم پر خریدا[2] مسجد نبوی
جب لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ معلوم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے خواہش ظاہر فرمائی کہ کوئی شخص فلاں ٹکڑا خرید کر مسجد میں بڑھا
دے تو حضرت عثمان نے اسے خریدا اور مسجد میں توسیع کی[3] تبوک کی
لڑائی میں جب مسلمانوں پر سخت تنگی کا زمانہ تھا اور قیصر روم کے مقابلہ
کے لئے ایک عظیم الشان مہم کی ضرورت تھی تو حضرت عثمان نے

---

[1] ترمذی مناقب عثمان + [2] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۸۸ ، مشکوٰۃ مناقب عثمان حاشیہ۔
[3] ترمذی مناقب عثمان۔ حضرت عثمان کی خلافت کے آخری ایام میں جب باغیوں نے انکے مکان کا محاصرہ
کر رکھا تھا اور نہ بئر رومہ کا میٹھا پانی ان تک پہنچنے دیتے تھے نہ مسجد تک نماز کیلئے انہیں آنے دیتے تھے تو اسوقت
حضرت عثمان نے یہ واقعات لوگوں کو یاد دلائے اور سب لوگوں نے اقرار کیا کہ یہ واقعات درست ہیں۔

ایک ہزار دینار نقد پیش کیا اور تین سو اونٹ مع ضروری سامان کے دیئے۔ اور یوں گویا لشکر کی تیاری کے ایک بڑے حصہ کا بوجھ انھوں نے برداشت کیا۔

لڑائیوں میں حصہ مدینہ ہجرت کر آنے پر بھی قریش نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا اور پہلا حملہ ۲ھ ہجری میں کیا جو بدر کی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لڑائی چونکہ مدینہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہوئی۔ اور حضرت عثمان کی زوجہ محترمہ رقیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اس وقت سخت بیمار تھیں اس لئے حضرت عثمان اس میں شامل نہ ہو سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں اپنی اہلیہ کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑا مگر وہ جانبر نہ ہو سکیں اور مدینہ میں فتح بدر کی خوشخبری پہنچنے سے پہلے ہی وہ وفات پا گئیں۔ چونکہ اس جنگ میں حضرت عثمان کی غیر حاضری مجبوری تھی اس لئے مال غنیمت کی تقسیم میں انکو دوسرے سپاہیوں کی طرح حصہ ملا۔ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کردی اسی وجہ

سے ذوالنورین کا خطاب بھی پایا۔

اُحد کی لڑائی میں جو اس سے قریبًا ایک سال بعد پیش آئی حضرت عثمان شامل تھے مگر جب دشمن پسپا ہو رہا تھا اور تیر اندازوں کا دستہ غلطی کر کے اس مورچے سے آگے نکل گیا جس کی حفاظت کا فتح و شکست دونوں صورتوں میں حکم دیا گیا تھا۔ اور دشمن نے مسلمانوں کی فاتح مگر بے ترتیب جمعیت پر اسی مورچے پر قبضہ کر کے عقب سے حملہ کر دیا تو اسلامی فوج پراگندہ ہو گئی اور بعض لوگ لشکر سے کٹ کر مدینہ کو بھاگ گئے بعض وہیں الگ ہو گئے انہی میں حضرت عثمان بھی تھے۔ چنانچہ اس بات کی بنا پر بعد میں ان پر طعن بھی کیا گیا لیکن اس میں ان کا اگر کوئی قصور مانا بھی جائے تو جب خود قرآن شریف میں اس پر معافی کا حکم آگیا[1] تو دوسرے شخص کو طعن یا نکتہ چینی کا کوئی حق نہیں۔ دوسری سب لڑائیوں میں حضرت عثمان شریک رہے البتہ حدیبیہ کے زمانے میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی تو اس وقت بھی حضرت عثمان موجود نہ تھے مگر اسکی

---

[1] ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان .... ولقد عفا اللہ عنہم (آل عمران ۱۵۵)

وجہ صرف یہ تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قاصد بنا کر اہل مکہ کی طرف بھیجا تھا۔ اور اہل مکہ نے انہیں نظر بند کر لیا تھا اور یہی وجہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت بھی لی کیونکہ حضرت عثمان کے شہید ہو جانے کی خبر بھی مشہور ہو گئی تھی اور قاصد کا قتل کرنا اعلان جنگ تھا۔ بیعت رضوان فی الحقیقت اسی کا جواب تھا کیونکہ اس میں مسلمانوں نے اقرار کیا کہ خواہ دشمن کا کتنا بھی زبردست حملہ ہو وہ قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے۔ اور لڑتے ہوئے مر جائیں گے۔ جب سب کی بیعت ہو چکی تو حضرت عثمان رضؓ کی طرف سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھا اور اسے حضرت عثمان کی بیعت قرار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کی کس قدر منزلت آپ کے دل میں تھی قریش پر اس بیعت کے نظارہ کا اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے صلح کر لی اور حضرت عثمان کو چھوڑ دیا۔ تبوک کی لڑائی کے لئے جو لشکر تیار کیا گیا اور جو جیش عسرۃ کے نام سے مشہور ہے اس میں سب سے بڑھ کر حصہ حضرت عثمان نے لیا۔

خلافت ابوبکر و عمر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو حضرت عثمان مجلس شوریٰ کے بڑے بھاری رکن تھے اور ہر قسم کی مہمات ملکی اور پیش آمدہ امور میں ان کے مشورہ سے کام ہوتا تھا۔ جب حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب میں سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان سے ہی مشورہ کیا اور جب ان دونوں سے مشورہ لے لیا تب دوسرے لوگوں سے دریافت کیا۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں بھی حضرت عثمان کو وہی اہمیت حاصل رہی اور تمام معاملات ملکی میں مشیر کار رہے۔

۲۔ زمانہ خلافت

یکم محرم ۲۴ھ ہجری تا ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ ہجری، ۷ نومبر ۶۴۴ء تا ۱۷ جون ۶۵۶ء

حضرت عثمان کا انتخاب

حضرت عمرؓ نے انتخاب خلافت کے لئے بہترین ممکن انتظام کیا تھا۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابوبکر کی طرف سب نظریں اٹھتی تھیں اور ان کے بعد حضرت عمر کی طرف اس لئے ان

دونوں بزرگوں کے انتخاب میں کوئی وقت پیش نہ آئی لیکن حضرت
عمر کے بعد کوئی فردِ واحد ایسا نہ تھا کہ جس کو دوسروں پر وہی فوقیت
حاصل ہو جو حضرت ابوبکر اور عمر کو اپنے اپنے وقت میں حاصل تھی۔
حضرت عمر اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ اگر میری وفات کے
وقت حضرت ابوعُبَیدہ بن الجراح زندہ ہوں تو وہ خلافت کے
اہل ہیں۔ مگر ابوعبیدہ فوت ہو چکے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف
کی طرف بھی بہت نظریں اٹھتی تھیں۔ اور اپنی شہادت کے وقت حضرت
عمر نے انہیں امام نماز بنایا تھا۔ مگر وہ خود اس بار کو اٹھانا پسند نہ
کرتے تھے۔ باقی عظیم الشان آدمی جو اس منصب کی اہلیت رکھتے
تھے وہی تھے جن کو حضرت عمرؓ نے انتخاب کے لئے نامزد کیا
تھا یعنی حضرت عثمان جن کی عمر اس وقت ستر سال کے قریب تھی
اور جن کی مالی خدمات اسلام اپنی جگہ پر بے نظیر تھیں۔ پھر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کی زوجیت
میں آچکی تھیں۔ حضرت علی جن کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
نسب و صہر دونوں لحاظ سے نہایت قریبی تھا یعنی آپ کے چچا زاد بھائی

بھی تھے اور آپ کے داماد بھی۔ اور قوت بازو کے لحاظ سے اور علم و فضل کے لحاظ سے بھی منصب خلافت کی اہلیت رکھتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران جن کو گو حضرت عمرؓ نے کوفہ کی گورنری سے الگ کر دیا تھا مگر وہ بالکل معمولی شکایت پر تھا اور انتظام سلطنت میں خاصی قابلیت رکھتے تھے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور بوجہ اپنی خدمات اسلامی کے خاص وقعت و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان چھ کو اپنے میں سے ایک آدمی کثرت رائے سے انتخاب کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اور اس سے بہتر صورت ناممکن تھی۔ اگر رائے عامہ پر انتخاب کو چھوڑا جاتا تو فساد کا خطرہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ انتخاب میں نہ لگیں۔ ان کی وفات کے بعد مشورہ شروع ہوا۔ آخر سب کے اتفاق سے عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاتھ میں یہ فیصلہ چھوڑا گیا۔ طلحہ موجود نہ تھے باقی میں سے سعد کی رائے حضرت عثمان کے حق میں تھی۔ زبیر نے عثمان و علی کا نام لیا۔ حضرت عثمان سے انہوں نے دریافت کیا کہ اگر میں آپ کا انتخاب نہ کروں تو پھر

آپ کے نزدیک کون خلافت کا اہل ہے انہوں نے حضرت علی کا نام لیا۔حضرت علیؓ سے ایسا ہی سوال کیا تو انہوں نے حضرت عثمان کا نام لیا۔ یوں خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو الگ کر کے انتخاب کنندگان میں حضرت عثمان کی طرف کثرت رائے تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دیگر اعیان اُمت سے بھی اس میں استصواب کیا۔ اور اس وقت مختلف اطراف عرب سے بوجہ حج کے لوگوں کا خاصہ اجتماع تھا۔ تو ان کی کثرت رائے بھی حضرت عثمان کی طرف ہی تھی۔ اس لئے چوتھے دن صبح حضرت عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان کے حق میں فیصلہ کیا اور بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے پھر سب لوگوں نے بیعت کی۔ یہ نئے سال کا پہلا دن تھا۔ یعنی یکم محرم ۲۴ھ ہجری کو حضرت عثمان خلیفہ منتخب ہوئے۔ بیعت ہو چکنے کے بعد طلحہ بھی آ گئے۔ حضرت عثمان نے ان سے واقعات بیان کر کے فرمایا کہ اگر تمہاری رائے میرے حق میں نہ ہو تو میں اب بھی خلافت سے علیحدہ ہونے کو تیار ہوں۔ مگر انہوں نے بھی اپنا اتفاق ظاہر کیا اور بیعت کر لی۔

ایران میں بغاوت اور مزید فتوحات

حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت ایران میں بالکل امن تھا۔ مگر ان کی وفات کے کوئی چھ ماہ بعد ایران میں بغاوت شروع ہوئی اور عہدنامے توڑ دیئے گئے۔ اس بغاوت کی اصل وجہ یہ تھی کہ یزدگرد گو جلاوطن تھا مگر ابھی تک زندہ تھا اور اگر ایک طرف اس کی سازشوں کا سلسلہ تھا تو دوسری طرف اہل ایران کی نظر امید بھی کسریٰ کے خاندان پر تھی۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کو اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے افواج کو بھیجنا پڑا۔ اور ہر جگہ بغاوت کو فرو کر کے از سر نو معاہدات کئے گئے۔ بغاوت کے سدباب کے لئے اسلامی افواج کو حدود ملک کی طرف پیش قدمی کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ بغاوت کی ابتدا یہیں سے ہوتی تھی۔ اس لئے ایران کی دوبارہ فتح میں مملکت اسلام کی اور زیادہ توسیع ہوگئی۔ ایک طرف بلخ اور ترکستان میں اسلامی جھنڈا لہرانے لگا۔ اور دوسری طرف ہرات کابل اور غزنی تک کے حاکموں نے اطاعت اختیار کی۔ خراسان کا اکثر حصہ نیشاپور طوس مرو وغیرہ ۳۰ھ ہجری میں فتح ہوئے ۳۱ھ ہجری میں یعنی حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آٹھویں سال یزدگرد نے وفات پائی

۲۲ھ ہجری میں آذربیجان کے پہاڑی دروں میں مسلمانوں کا ترکوں سے مقابلہ ہوا۔ اور گو یہاں پہلے پہلے اسلامی فوج کو نقصان پہنچا مگر کمک پہنچ جانے پر اس کی تلافی ہوگئی اور حضرت عثمان کی خلافت میں نہ صرف حضرت عمر کے وقت کے مفتوحہ علاقوں میں دوبارہ امن قائم ہوا۔ بلکہ مشرق اور شمال کی طرف حدودِ سلطنت وسیع ہوتی چلی گئیں۔

شام پر قیصر کا حملہ، مسلمانوں کی مزید فتوحات اور قبرص پر قبضہ

ملک شام میں حضرت عمر نے معاویہ کو دمشق کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ آہستہ آہستہ ملک شام سب کا سب ایک ہی گورنر کے ماتحت آگیا۔ ایک مدت سے قیصر کی حکومت کی طرف سے قریبًا خاموشی تھی لیکن حضرت عثمان کی خلافت کے دوسرے سال میں قیصر کی افواج ایشیائے کوچک کی طرف سے پھر شام پر حملہ آور ہوئیں۔ حضرت معاویہ کے پاس اس قدر فوج نہ تھی کہ وہ اکیلے حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکتے۔ حضرت عثمان نے مدد بھیجی اور اس کے ساتھ قیصر کی افواج کو شکست دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی افواج ایشیائے کوچک میں پھر نکلیں۔ اور آرمینیا میں سے ہو کر طبرستان تک پہنچ گئیں جہاں وہ ایرانی افواج سے جا ملیں۔ پھر شمال کا

رُخ کر کے طفلس اور بحیرۂ اسود تک پہنچ گئیں۔ اس کے بعد قسطنطنیہ کی افواج سے مسلمانوں کو ہر سال مقابلہ پیش آتا رہا۔ اور شامی افواج اپنی سرحدات کی مضبوطی میں لگی رہیں۔ اسی سلسلہ میں ۲۸ھ ہجری مطابق ۶۴۹ء عیسوی میں قبرص کے جزیرہ پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمرؓ کو بھی لکھا تھا کہ قبرص کا جزیرہ شام کی سرحد سے اس قدر قریب ہے کہ کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنی جا سکتی ہے۔ مگر حضرت عمرؓ نے بحری جنگ کی اجازت نہ دی۔ اب جو قیصر کی طرف سے حملوں کا سلسلہ بند ہونے میں نہ آتا تھا تو معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا۔ اور انھوں نے قبرص پر فوج کشی کی اجازت دی چنانچہ اہل قبرص نے وہی خراج جو وہ قیصر کو دیتے تھے یعنی ۷۰۰۰ دینار سالانہ مسلمانوں کو دینا منظور کیا۔ اس کے بعد ۳۳ھ ہجری میں اہل قبرص کے رومیوں کو مدد دینے کی وجہ سے امیر معاویہ نے ان پر پھر چڑھائی کی اور اسے فتح کر کے حکومت اسلامی میں ملا لیا۔

مصر پر قیصر کا حملہ اور افریقہ میں مزید فتوحات

مصر میں عمرو بن العاص فاتح مصر گورنر تھے ۲۵ھ ہجری مطابق ۶۴۶ء میں قیصر

نے سمندر کی طرف سے سکندریہ پر حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ گو عمرو نے جلدی سکندریہ کو دوبارہ مسخر کر لیا۔ اور مصر امن میں ہو گیا۔ مگر مغرب کی طرف رومیوں کا مقابلہ برابر جاری تھا۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جن کو فتح مکہ کے وقت حضرت عثمانؓ کی سفارش پر معافی دی گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ اور ایک قابل منتظم تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بالائی مصر کے انتظام پر مقرر کیا تھا۔ اب ان کا عمرو بن العاص کے ساتھ بعض انتظامی معاملات میں جھگڑا ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاص کے خلاف فیصلہ دیا اور بالآخر انہیں مدینہ بلا لیا گیا اور مصر کی حکومت پر عبداللہ بن سعد کو مقرر کیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں طرابلس اور برقہ تک مسلمانوں کا تصرف ہو چکا تھا۔ لیکن رومی افواج برابر اڑی ہوئی تھیں۔ اور کوئی فیصلہ کن جنگ اس طرف نہ ہوئی تھی۔ عبداللہ کو مصر کی حکومت پر مقرر کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے انہیں مغرب کی طرف رومی مقابلہ کا فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ جب تک یہاں رومی فوج موجود تھی مسلمانوں کو مصر میں امن نہ مل سکتا تھا۔ گرگیری (جو جیرہ

یہاں کے حاکم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج کا اجتماع تھا اس لئے مزید اسلامی فوج بھی بھیجی گئی۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر بھی اس فوج میں تھے۔ لڑائی نے طول کھینچا آخر جرجیر کو عبداللہ بن زبیر نے قتل کیا۔ یونانی افواج کو شکست ہوئی اور الجزائر اور مراکش کے علاقے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ یہ ۲۶ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ۳۱ھ ہجری میں پھر ایک کوشش سلطنت روما نے کی اور پانچ سو جہازوں کا بیڑا تیار کرکے بھیجا۔ بالمقابل عبداللہ بن سعد نے بھی بیڑا تیار کیا۔ یہ رومی بیڑے سے بہت چھوٹا تھا۔ مگر جب مقابلہ ہوا اور کشتی سے کشتی مل کر دست بدست لڑائی کی نوبت پہنچی تو رومی بیڑے کو شکست ہوئی لیکن عبداللہ کی فتوحات کے باوجود مسلمانوں کو اس کے خلاف شکایات پیدا ہونے لگیں۔

حضرت عثمان کی خلافت میں فتنے کا اصل موجب

ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عثمان کی حکومت میں نظام سلطنت کسی طرح کمزور نہیں ہوا جہاں جہاں بغاوت ہوئی فرو کی گئی۔ سرحدات کو وسیع کرکے مضبوط کیا گیا اور بہت سے نئے ممالک مملکت اسلامیہ میں شامل ہوئے۔

بحری لڑائیوں میں بھی جن میں مسلمان بالکل ناواقف تھے اسی طرح
فتح وظفر اسلامی افواج کے ہمرکاب تھی جس طرح حضرت عمرؓ کے زمانے میں
بڑی لڑائیوں میں۔ مسلمانوں میں وہی زندگی اور قوت موجود تھی جو اس
سے پیشتر ہم دیکھ چکے ہیں۔ لیکن اندر ہی اندر کچھ اسباب جمع ہو رہے
تھے نئے مفتوحہ ممالک میں مجوسی۔ یہودی۔ عیسائی کثرت سے داخل
اسلام ہو چکے تھے۔ اور بعض دشمنان اسلام بھی اسلام کو نقصان
پہنچانے کے لئے منافقت کے رنگ میں اسلام میں داخل ہو گئے تھے
مملکت اسلام کی سب سے بڑی خوبی اس کے نظام حکومت کی
پہلے درجے کی جمہوریت تھی۔ اور مساوات اور آزادی رائے پر کسی
قسم کی روک نہ تھی۔ گورنروں تک شکایت پہنچانے کے لئے اس قدر
سہولت دی گئی تھی کہ ان کی ڈیوڑھی پر کوئی دربان نہ ہوتا تھا جو روک
ٹوک کر سکے۔ اور ہر ایک شکایت کرنے والا جس وقت چاہتا گ
پاس پہنچ سکتا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ گورنروں کی شکا
ہونے پر ان کو الگ کر دیا جاتا تھا۔ اور خلیفہ کا دربار ہر وقت
تھا جہاں لوگ آتے اور جس گورنر سے ان کو ذرا بھی شکایت پہنچتی

معزول کرا کر اپنے حسب منشا نیا گورنر مقرر کرا لیتے۔ بلکہ اس جمہوریت میں خود خلیفہ کی شخصیت عام مسلمانوں کی طرح تھی۔ اور وہ بادشاہ نہیں بلکہ قوم کا خادم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے خلاف بھی جو شخص جہاں چاہتا شکایت کر سکتا تھا۔ اس کے انتظام پر حرف گیری کر سکتا تھا۔ اسی آزادی کو بعض لوگوں نے خلافت اسلامی میں کمزوری پیدا کرنے کا موجب قرار دیا ہے۔ مگر یہ آزادی بجائے خود بُری چیز نہ تھی۔ بلکہ اسلام کا بہترین پھل اور نسل انسانی کا سب سے بڑا حق تھا۔ ایک شریر آدمی ایک اچھی چیز کو بھی بُری طرح استعمال کر سکتا ہے۔ جہاں یہ نظام حکومت جمہوریت مساوات آزادی رائے کے بہترین پہلو کو لئے ہوئے تھا۔ وہیں اس میں شریر لوگوں کو شرارت کا بھی بڑا موقعہ مل سکتا تھا کیونکہ ہر مسلمان نظام حکومت میں حصہ دار تھا۔ مدینہ میں تو اکثر وہی لوگ تھے جنہوں نے نبی کریم صلعم کی صحبت سے فیض پایا تھا۔ یا اُن کی اولاد تھی جو بیشتر انہی کے نقش قدم پر چلتی تھی مگر بصرہ اور کوفہ اور فسطاط کی نئی آبادیوں میں ہر قسم کے لوگ رہتے تھے۔ انہی مقامات سے اسی آزادی کے حق کی بد استعمالی

سے وہ فتنہ اُٹھا جس نے حضرت عثمان کی خلافت کے آخری ایام کو بدنام کر کے حضرت عثمان کی شہادت تک نوبت پہنچائی۔ ورنہ ان کی حکومت کے اول و آخر میں جیسا تاریخ نویسوں کا خیال ہے کوئی خاص فرق نہیں۔

گورنروں کا عزل و نصب

سب سے بڑا الزام جو حضرت عثمان پر دیا جاتا ہے وہ گورنروں کے عزل و نصب کے متعلق ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کی خلافت میں پہلے چھ سال کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ انہیں قریش حضرت عمر کی نسبت اچھا سمجھتے تھے۔ مگر پچھلے چھ سال میں انہوں نے اپنے عزیزوں اور قریبیوں کو عامل بنانا شروع کر دیا۔ اور ان کے خلاف جو شکایتیں آتی تھیں ان کی پروا نہ کرتے تھے۔ یہ زہری کا قول ہے جو امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔ جن لوگوں نے بغاوت کر کے آخر حضرت عثمان کو قتل کیا وہ ایسے ہی الزام ان پر دیتے تھے۔ اب ہم تاریخی واقعات کو لیتے ہیں۔ جو کچھ شکایات ہوئی ہیں وہ تین مقامات کے گورنروں کے متعلق ہی ہیں یعنی بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ ملک شام میں حضرت عمر کے وقت سے معاویہ گورنر تھے اور حضرت عثمان کے ایام خلافت

میں وہی گورنر رہے۔ کوفہ میں حضرت عمر کی وفات کے وقت مغیرہ گورنر تھے۔ حضرت عمر کی خواہش کے مطابق جس کا انہوں نے مرتے وقت اظہار کیا حضرت عثمان نے سعد بن ابی وقاص کو دوبارہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ سعد نے ابن مسعود سے جو خزانہ کے مہتمم تھے کچھ روپیہ بطور قرضہ لیا۔ ابن مسعود نے کچھ عرصہ بعد اس کی واپسی پر اصرار کیا۔ جس پر ان میں اور سعد میں تکرار ہو کر جھگڑے تک نوبت پہنچی اس جھگڑے کا اثر اہل کوفہ پر پڑا جو کچھ سعد کے طرفدار ہو گئے اور کچھ ابن مسعود کے نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ھ ہجری میں حضرت عثمان نے سعد کو کوفہ کی گورنری سے الگ کر کے ولید بن عقبہ کو گورنر مقرر کیا۔ ولید ماں کی طرف سے رشتہ میں حضرت عثمان کے بھائی تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمان کی خلافت کی ابتدا کا ہے اور اس وقت کسی نے حضرت عثمان پر رشتہ داروں کے تقرر کا الزام نہیں دیا ولید کے خلاف یہ شکایت ہوئی کہ وہ شراب پیتا ہے۔ اور جب شکایت کرنیوالوں نے اس کا کچھ ثبوت بہم پہنچایا تو حضرت عثمان نے نہ صرف ولید کو واپس بلا لیا بلکہ اس پر حد بھی قائم کی جس سے کم سے

کہ حضرت عثمان کی اس الزام سے بریت ہوتی ہے کہ وہ رشتہ دار
گورنروں سے بازپرس نہ کرتے تھے۔ غیر طرفداری کا ثبوت اس سے
بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ شکایت پر نہ صرف گورنر کو الگ کر دیا بلکہ
اس پر حد بھی قائم کر دی۔ ولید کے بعد سنہ ۳۰ ہجری میں سعید بن العاص
کو حضرت عثمان نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ یہ بھی حضرت عثمان کے عزیزوں
میں سے تھے اور نقص یہ تھا کہ نوجوان اور ناتجربہ کار تھے۔ کوفہ کے
حالات زیادہ خطرناک ہو گئے۔ اس جگہ شرارت کا بیج بھی بویا جا رہا
تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ آخر جب سعید کی غیر حاضری میں کوفہ میں
مفسد گروہ کا غلبہ ہو گیا تو حضرت عثمان نے سنہ ۳۴ ہجری میں سعید کو
بھی الگ کر کے ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ اور مفسدوں
کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ چھوڑا۔ بصرہ میں ابو موسیٰ اشعری حضرت عمر
کی وفات کے وقت گورنر تھے۔ سنہ ۲۹ ہجری میں وہاں کے لوگوں
نے ان کے خلاف شکایتیں کیں اور الزام یہ دیا کہ یہ قریش کی طرفداری
کرتے ہیں۔ حضرت عثمان نے انہیں الگ کر کے ایک ایسے شخص کو
گورنر مقرر کیا جسے ان لوگوں نے خود نامزد کیا تھا۔ مگر چونکہ وہ اس منصب

کا اہل ثابت نہ ہوا اس لئے جلد اس کی جگہ عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر کیا۔ یہ بھی حضرت عثمان کے رشتہ داروں میں سے تھے اور گو ان پر یہ الزام دیا جاتا ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے عہدے اپنے رشتہ داروں کو دیئے۔ لیکن ایران کی تسخیر اور نئے ممالک کی فتوحات میں انہوں نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ اور حضرت عثمان کے اس انتخاب کو واقعات نے درست ثابت کیا۔ مصر کی گورنری عمرو بن العاص کے سپرد تھی۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو حضرت عمر نے بالائی مصر میں مقرر کیا تھا حضرت عثمان نے مالی انتظام کو عبداللہ بن سعد کے سپرد کیا۔ اور انتظامی گورنر عمرو بن العاص کو رہنے دیا۔ مگر یہ صورت دیر تک نہ رہ سکی۔ اور دونوں میں جھگڑا ہونے پر جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو واپس بلا لیا اور مصر کی گورنری عبداللہ بن سعد کو دیدی۔ ان کا تعلق حضرت عثمان سے رضاعی بھائی ہونے کا تھا۔ مگر افریقہ کی فتوحات اور ایسا ہی بحری جنگ میں فتح جو مسلمانوں کے لئے بالکل ایک نیا تجربہ تھا بتاتی ہیں کہ حضرت عثمان پر یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ انہوں نے محض رشتہ داروں

کی پرورش کے لئے گورنریاں تقسیم کی ہوئی تھیں اور آخر جب باغیوں نے مدینہ پہنچکر ان کے عزل کا مطالبہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے اسے بھی قبول کر کے باغیوں کے نامزد کردہ آدمی محمد بن ابوبکر کا تقرر مصر کی گورنری پر کر دیا۔

رشتہ دار گورنروں کے تقرر میں حضرت عثمانؓ پر کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا

گورنروں کے ان عزل و نصب کے واقعات سے یہ ظاہر ہے کہ گو یہ تو صحیح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے گورنریوں پر اپنے رشتہ داروں کا بھی تقرر کیا۔ لیکن اوّل تو رشتہ داری کا مفہوم وسیع ہے یعنی یہ سب لوگ انکے قریبی رشتہ دار نہ تھے۔ اور دوسرے ان پر طرفداری کا الزام صحیح نہیں۔ اگر وہ اپنے رشتہ داروں کا تقرر کرتے تھے تو جب کسی گورنر کے متعلق وہاں کے لوگوں کی شکایت پہنچتی تھی۔ اسے موقوف بھی کر دیتے تھے۔ بلکہ اپنے ایک رشتہ دار گورنر پر شراب خوری کے جرم میں حد لگا کر اسے کوڑوں کی سزا بھی دلوائی۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا انتخاب گو اس میں رشتہ داروں کی طرف رجحان بھی ہو قابلیت پر ہوتا تھا۔ اور ایران اور افریقہ کی فتوحات میں اُن کے رشتہ داروں نے

کارہائے نمایاں بھی کر کے دکھائے۔ اور یہ صحیح نہیں کہ خلافت کے پہلے چھ سال میں حضرت عثمان رشتہ داروں کو مقرر نہ کرتے تھے۔ بعد میں کرنے لگے۔ ولید کو کوفہ میں انہوں نے خلافت کے دوسرے سال یعنی ۲۵ھ ہجری میں مقرر کیا۔ اور عبداللہ بن سعد کو خلافت کے تیسرے سال یعنی ۲۶ھ ہجری میں مقرر کیا۔ اور اس وقت ان کے خلاف اس بنا پر کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اس بات کو بھی مان لینے میں ہرج نہیں کہ اگر حضرت عثمان حضرت عمر کے اصول پر چلتے اور حتی الوسع رشتہ داروں کی بجائے دوسروں کو گورنریوں پہ مقرر کرتے تو کم سے کم بغاوت کی سازش کرنیوالوں کو یہ کہہ کر عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کا موقعہ نہ ملتا۔ کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی طرفداری کرتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی زیادہ تر بنی ہاشم کو ہی ترجیح دی۔ ممکن ہے کہ اس وقت کے حالات ایسے ہو گئے ہوں اور ممکن ہے کہ ان کی رائے میں وہی لوگ ان عہدوں کے قابل ہوں۔

فتنہ کا اصل بانی ابن سبا حضرت عثمان کے زمانہ میں جو فتنہ رونما ہوا اس

کی اصل بنیاد ابن سبا نے رکھی۔ یہ اصل میں یمن کا ایک یہودی تھا جس کی ماں ایک حبشی عورت تھی اسی وجہ سے وہ ابن السوداء بھی کہلاتا تھا۔ حضرت عثمان کی خلافت پر آٹھواں سال شروع ہوا تھا۔ اور عبداللہ بن عامر بصرہ کے گورنر تھے۔ جب ابن سبا وہاں پہنچا اور اسلام لانے کی خواہش ظاہر کی۔ بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں اسے اسلام سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بلکہ خلافت اسلامی کو برباد کرنے کے لئے یہ اس نے ایک چال چلی تھی۔ مگر شروع شروع میں اس نے صرف حضرت عثمان کے گورنروں کے خلاف کارروائی شروع کی۔ بصرہ کے گورنر کو جب اس کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے وہاں سے اس کے اخراج کا حکم دیا۔ یہاں سے یہ کوفہ پہنچا اور کوفہ سے شام اور بالآخر مصر پہنچا۔ اور گو وہ ہر جگہ سے جہاں جاتا تھا اپنی مفسدانہ تقریروں کی وجہ سے نکالا جاتا تھا لیکن چونکہ ایک منتفنی اور چال باز شخص تھا اس لئے ہر جگہ اس کے کچھ نہ کچھ ہم خیال پیدا ہوتے چلے گئے اور یوں یہ شخص بصرہ اور کوفہ میں اپنے مفسدانہ خیالات پھیلانے میں کامیاب ہوگیا۔ صرف ملک شام حضرت معاویہ کی دور اندیشی

کی وجہ سے اس کی شرارت سے محفوظ رہا۔ مصر میں پہنچکر اس نے علی الاعلان حضرت عثمان اور ان کے عمال کی مخالفت شروع کی اور اس کو مذہبی رنگ دینا شروع کیا۔ اور یہ تعلیم دینی شروع کی کہ حضرت علی آنحضرت صلعم کے وصی ہیں۔ اور حضرت عثمان کی خلافت غاصبانہ ہے۔ اور ان باتوں کو اس نے مصر تک محدود نہ رکھا۔ بلکہ اپنے ایجنٹوں کے ساتھ خط وکتابت کے ذریعہ سے دیگر مقامات بالخصوص بصرہ اور کوفہ میں بھی پھیلانا شروع کیا۔ اور لوگوں کو حضرت عثمان کی حکومت کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ اور اس کی باتوں سے بہت لوگ دھوکے میں آ گئے۔

ترقی فتنہ کے بعض اسباب میں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت عمر کے وقت میں کثرت سے عرب کے کناروں کی قومیں اور عجمی لوگ بھی داخل اسلام ہوئے بالخصوص عراق عرب میں جہاں بصرہ اور کوفہ آباد ہوئے۔ اسلام نے خوب ترقی کی۔ یہ نئے لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ ان کی واقفیت اسلام سے عموماً بہت گہری نہ ہوتی تھی لیکن آزادی رائے اور مساوات کا جو دروازہ اسلام نے کھولا تھا اور جس کو صحابہ

نے عملی جامہ پہنایا تھا اس میں نئے اور پرانے سب لوگ یکساں حصہ دار تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ نئے لوگ آزادی اور مساوات کے صحیح استعمال سے واقف نہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے خود ایسی راہیں پیدا کی تھیں کہ لوگ اپنی رائے کا آزادی سے اظہار کر دیا کریں۔ بلکہ خود لوگوں کو بلا بلا کر دریافت کرتے تھے کہ کسی عامل کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف تو نہیں۔ آج اس آزادی اور تہذیب کے زمانے میں بھی حکام کے تقرر میں لوگوں کو اس قدر دخل نہیں جیسا خلافت اسلامی میں تھا۔ اب بعض شورہ پشتوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اور بعض لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اُن کے دام میں آ گئے۔ گورنروں پر علی الاعلان جو چاہتے الزام دیتے تھے کوئی روک نہ سکتا تھا۔ اور ابن سبا کے ہم خیالوں نے اب فرضی الزام بعض گورنروں پر لگا کر لوگوں کو دھوکا دینا شروع کیا۔ عام لوگ ان کی تحقیقات نہ کر سکتے تھے ایک اور بات جو اس فتنہ کے پھیلنے میں معاون ہو گئی یہ تھی کہ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر عموماً قریش ہی ہوتے تھے۔ منصوبہ باز لوگوں نے اس خیال کو بھی پھیلانا شروع کیا

کہ وہ بہادر بدوی قومیں جن کے زور بازو سے فتوحات حاصل ہوئی ہیں ان کو اعلیٰ عہدوں سے محروم کیا جاتا ہے بات تو صحیح تھی مگر قریش عرب قوم کے لئے بمنزلہ دماغ کے تھے اس لیے اعلیٰ درجہ کی ذمہ داری کے عہدوں کے لئے جہاں محض بہادری بکار نہ تھی۔ انہی کا تقرر عمل میں آتا تھا۔ مگر اس خیال نے بدوی عرب اقوام کے دل میں حکومت کی طرف سے ایک اور شکایت پیدا کر دی۔ اور یوں وہ بھی نادانستہ ان کے دھوکہ میں آ گئے۔

ابوذر کی علیحدگی صحابہ میں سے ابوذرؓ ایک درویش منش آدمی تھے۔ اور ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں میں سے تھے۔ دمشق میں مسلمانوں کے پاس مال و دولت کی کثرت دیکھ کر ان کی طبیعت میں ایک خاص جوش پیدا ہوا۔ اور انہوں نے یہ وعظ کرنا شروع کیا کہ مال و دولت صرف خدا کے رستے میں خرچ کرنے کے لئے ہے جمع رکھنے کے لئے نہیں۔ اور آہستہ آہستہ اس بارے میں ان کو یہاں تک غلو ہوا کہ ایسے لوگوں کو جن کے پاس مال و دولت جمع ہو جہنمی ٹھیراتے۔ اس وعظ سے لوگوں میں ایک عام شورش پیدا ہوتی اور فتنہ بڑھتا۔ اسلئے معاویہ نے انہیں

حضرت عثمان کے پاس مدینہ بھیج دیا۔حضرت عثمان نے انہیں بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ مال میں زکوٰۃ تو وہ حق ہے جس کے لئے لوگوں کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔مگر سارا مال خدا کے رستہ میں دینے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔اپنی خوشی سے کوئی جس قدر چاہے خرچ کرے۔ مگر انہوں نے ایک نہ سنی اور چونکہ مدینہ میں بھی اس وعظ سے فتنہ پیدا ہوتا تھا۔حضرت عثمان نے محض فتنہ کے سدباب کے لئے انہیں ربذہ میں بھیج دیا۔جہاں دو سال بعد ان کا انتقال ہوا۔حضرت عثمان کے خلاف منصوبہ بازوں نے جو کچھ باتیں عام لوگوں کو سنا کر دھوکا دیا۔ان میں سے ایک ابوذر کو اس طرح علیحدہ کرنا بھی تھا حالانکہ حضرت عثمان نے ان سے کوئی خاص سختی بھی نہیں کی۔صرف فتنہ کے سدّباب کے لئے انہیں علیحدہ مقام پر بھیج دیا تھا۔

قرآن کریم کے غیر مستند نسخوں کا جلانا اسلام اس وقت مشرق و مغرب میں سینکڑوں میلوں تک پھیل چکا تھا۔اور نئے نئے لوگ اسلام میں داخل ہوتے تھے خود عرب میں بھی بعض اقوام کے لہجہ اور تلفظ میں فرق تھا جس سے قرأتوں کا اختلاف پیدا ہو گیا تھا یعنی بعض صورتوں میں ایک شخص ایک لفظ کو ایک

طرح ادا کرتا تو دوسرا دوسری طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ اجازت خود دی تھی لیکن غیر عرب لوگوں کے لئے یہ ضرورت نہ تھی ان کے لئے جس طرح ایک قرأت کا ادا کرنا مشکل تھا ویسا ہی دوسری قرأت کا۔ اور خود عرب میں بھی یہ ایک عارضی اجازت تھی جو صرف الفاظ کے خاص طور پر ادا کرنے کے لئے دی گئی تھی قرآن کریم کی تحریر صرف ایک ہی طرز پر تھی اور اصل وہی تھی۔ مگر دقت یہ تھی کہ گو حافظ ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے مگر تحریر میں قرآن کریم کا صرف ایک ہی مستند نسخہ تھا جو مدینہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس تھا یعنی وہی نسخہ جو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا تھا اور باقی نسخے مکمل یا غیر مکمل جس قدر تھے وہ مستند نہ تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے ان قرأتوں کو جن کی اجازت محض تلفظ کی مشکلات کی وجہ سے دیدی گئی تھی تحریر میں لانا شروع کر دیا تھا۔ اور مختلف درس گاہوں میں جہاں قرآن شریف کی تعلیم دی جاتی تھی (جیسا کہ حضرت عمرؓ کے حالات میں گزر چکا ہے) ایک جگہ کے لوگ ایک قرأت پر قرآن شریف کو پڑھتے تو دوسری جگہ کے لوگ دوسری قرأت پر پڑھتے اور اس طرح بظاہر ایک انتشار تھا

نظر آتا۔ دوسری وقت یہ تھی کہ تعلیم اسلام کے بیرونی مرکزوں میں کوئی مستند نسخے قرآن شریف کے موجود نہ تھے جن سے بوقت ضرورت مقابلہ کر کے غلطی کو درست کیا جا سکے۔ حذیفہ نے حضرت عثمانؓ سے یہ شکایت کی۔ آپ نے بڑے بڑے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا اور اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ قرآن کریم کے اس نسخہ کی جو حضرت حفصہ کے پاس ہے نقلیں کرا کر مختلف مقامات پر رکھوائی جائیں۔ اور آیندہ قرآن شریف کا جو نسخہ لکھا جائے۔ وہ انھی مستند نسخوں کے مطابق لکھا جائے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے صحابہ کی ایک جماعت مقرر کی گئی۔ اور کئی نسخے تیار کرا کر ان میں سے ایک نسخہ مکہ میں ایک مدینہ میں۔ ایک کوفہ میں اور ایک دمشق میں رکھوایا گیا اور ایسا ہی مصر وغیرہ میں۔ اور اس سے پہلے جو نسخے لوگوں نے اپنے طور پر لکھے ہوئے تھے اور جن پر صحت کا پورا اعتماد نہ کیا جا سکتا تھا۔ ان سب کو جلوا دیا گیا۔ یہ کام حضرت عثمانؓ نے اپنی رائے سے نہ کیا تھا بلکہ سب صحابہ کا اس پر اتفاق تھا۔ اور فی الحقیقت انھوں نے رسول اللہ صلعم کے اصل منشا کو ہی پورا کیا تھا کیونکہ باوجود عرب کی مختلف اقوام کو یہ اجازت دینے کے کہ وہ ایک لفظ کو اپنے

لہجہ میں اوا کرلیں تحریریں ایک ہی نسخہ تھا اور قرآن شریف کو مختلف قرأتوں پر نہیں لکھوایا گیا تھا۔ اور قرآن شریف کا کسی اور قرأت پر لکھا جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف تھا۔ اسی لئے سب صحابہ کا اس بات پر اتفاق تھا کہ جو نسخے لوگوں نے خود بخود لکھ لئے ہیں اور جن میں کسی دوسری قرأت کے لکھا جانے کا احتمال تھا۔ ان سب کو جلا دیا جائے لیکن جب شریر لوگوں نے حضرت عثمان کے خلاف منصوبہ بازی شروع کی تو ایک اچھی بات کو بھی غلط پیرائے میں بیان کرکے لوگوں کو یوں اشتعال دینا شروع کیا کہ حضرت عثمان نے قرآن کریم کے نسخوں کو جلوا کر ان کی ہتک کی ہے اور ان ناواقف لوگوں پر جو مدینہ سے دور بیٹھے ہوئے تھے ان باتوں کا اثر ہو جاتا تھا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عثمان کے زمانے میں قرآن کریم کی جمع کا کوئی کام نہیں ہوا۔ قرآن کریم کی جمع کا کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہوتا تھا جس پر خود قرآن بھی گواہ ہے[1] ہاں آپ کی ہدایت کے مطابق لکھی ہوئی تحریریں حضرت ابوبکر کے حکم سے ایک مجلد میں اکٹھی کی گئیں

[1] ان علینا جمعہ وقرآنہ (القیامۃ-۱۷)

اور اسی نسخہ سے حضرت عثمان نے کئی نقلیں کرا کران کو بڑے بڑے شہروں میں رکھوا دیا۔ پس حضرت عثمان کو جامع قرآن کہنا بھی صحیح نہیں۔

آغاز شرارت

ابن سبا نے علاوہ مصر کے جہاں وہ اپنی شرارت اور منصوبہ بازی کا مرکز قائم کر چکا تھا۔ بصرہ اور کوفہ میں بھی اپنے خیالات کے کچھ حامی اس طرح پر پیدا کر لئے تھے۔ یہ لوگ جو فساد کے سرغنے تھے۔ اصل میں شریر لوگ تھے جو ابن سبا کے منصوبہ میں شامل تھے۔ مدینہ میں صرف دو آدمی ایسے تھے جنہوں نے اس سازش میں حصہ لیا۔ ایک محمد بن ابوبکر دوسرے محمد بن ابی حذیفہ یہ دونوں نوجوان عبداللہ بن سعد بن ابی سرح گورنر مصر کے ساتھ لڑ کر آئے تھے اور اب جو ابن سبا نے اپنا جال مصر میں پھیلانا شروع کیا تو وہ بھی اس کے دام میں آ گئے۔ اور اس کے ساتھ مل گئے۔ کوفہ میں جو لوگ اس شرارت کے سرغنے تھے۔ وہ حضرت عثمان اور اُن کے عمال کی بدگوئی خفیہ طور پر تو کرتے ہی تھے۔ اب وہ علی الاعلان فساد کے موقعہ کی تلاش میں تھے۔ ان ایام میں گورنر کے پاس ہر قسم کے لوگوں کی رسائی ہونے کے علاوہ گورنر عام مجالس بھی منعقد کیا کرتے تھے جن میں ہر قسم کے آدمی ہوتے تھے۔ اور ہر قسم کی

بات چیت ہو سکتی تھی۔ یہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں اس مساوات اور
آزادی رائے کا نتیجہ تھا۔ جو اسلام نے پیدا کی تھی ایسی ہی ایک مجلس
قائم تھی کسی ذکر میں ایک نوجوان نے یہ کہدیا کہ اگر فلاں زمین گورنر
کے پاس ہو تو کیا اچھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ پھر وہ بھی زیادہ داد و دہش
کر سکتا ہے اس پر اس منصوبہ باز گروہ نے جو مجلس میں موجود تھا موقعہ
دیکھ کر اس نوجوان پر حملہ کیا۔ کہ تم ہماری زمینوں پر دوسروں کو دیکھنا چاہتے
ہو اور قریب تھا کہ اسے اور اس کے ساتھ ہی اسکے والد کو بھی مار ڈالتے
چونکہ یہ صاف نظر آتا تھا کہ یہ ایک معمولی فساد نہیں بلکہ اس کی اصل غرض
حضرت عثمانؓ اور ان کے عمال کو بدنام کرنا ہے۔ اس لئے ان امور کی
اطلاع حضرت عثمانؓ کو دی گئی اور انہوں نے ان کو شام میں جلاوطن
کرنے کا حکم دیا۔ غرض صرف اس قدر تھی کہ وہاں معاویہ ان کی اصلاح
کی تدبیر کریں گے۔ یہ جلاوطنی کا حکم دس آدمیوں کے لئے تھا جن میں
اشتر بھی تھا۔ معاویہ نے ان لوگوں کو بہتیرا سمجھایا کہ تم خواہ مخواہ فساد
نہ کرو مگر انہوں نے معاویہ کی بھی پرواہ نہ کی۔ تب انہیں دوسرے مقام
پر بھیج دیا گیا۔ اور وہاں کے حاکم نے ان کو نظربندی کی حالت میں

رکھا۔ اسی اثنا میں سعید گورنر کوفہ خود بعض معاملات کو حضرت عثمان کی خدمت میں عرض کرنے کے لئے مدینہ گئے ان کی غیر حاضری کو شر انگیز گروہ نے غنیمت سمجھا۔ اور جلاوطن شدہ گروہ کو واپس بلا کر عام مخالفت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ جب سعید صرف ایک نوکر کے ساتھ مدینہ سے واپس آرہے تھے تو ان لوگوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ نوکر کو مار ڈالا اور کہا کہ ہم تم کو کبھی کوفہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ سعید واپس ہو گئے حضرت عثمان کا حلم جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں سے کسی قسم کی سختی نہ کرنا چاہتے تھے۔ ایسے موقعہ پر بھی جہاں فساد نے علانیہ ایک بغاوت کی صورت اختیار کر لی تھی اور گورنر کو نکال دیا گیا تھا بجائے سرغنوں کو سخت سزا دیکر اس فساد کو دبانے کے انہوں نے اور بھی نرمی اختیار کی۔ اور بجائے سعید کے ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا گورنر مقرر کر کے بھیج دیا۔ ابو موسیٰ نے کوفہ پہنچ کر سب لوگوں سے خلیفہ کی اطاعت کی حلف لی۔ مگر شرارت کی آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی۔

مفسدوں کا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ مفسدوں کے ہاتھ میں

شکایتوں کی تحقیقات اور گورنروں کی کانفرنس

سب سے زبردست ہتھیار حضرت عثمانؓ کے گورنروں کو بدنام کرنا تھا۔ اور یہ ایک ایسا امر تھا جس میں عام ناواقف مسلمان جلد غلطی بھی کھا جاتے تھے۔ مدینہ میں بھی یہ باتیں عام ہونے لگیں اور چونکہ بصرہ کوفہ۔ مصر تینوں طرفوں سے شکایتوں کا فرضی طومار ایک منصوبہ بازی کے ماتحت شروع تھا۔ اور تحقیقات کا موقعہ لوگوں کو مل نہ سکتا تھا اس لئے بعض صحابہ کے دل میں بھی یہ خیال گذرا کہ حضرت عثمانؓ غلطی کر رہے ہیں۔ اور جب ان کے پاس شکایت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے جو اطلاع آتی ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ گورنروں کے کام میں کوئی نقص نہیں۔ آخر مشورہ سے یہ قرار پایا کہ بصرہ کوفہ دمشق اور مصر میں ایک ایک معتبر آدمی تحقیقات کے لئے بھیجا جائے۔ اس تحقیقات کے لئے عبداللہ بن عمرؓ۔ اسامہ بن زید۔ محمد بن مسلمہ۔ اور عمار بن یاسر کو مقرر کیا گیا۔ ان میں سے عمار بن یاسر مصر گئے اور وہ وہاں ابن سبا کے ساتھیوں کے دھوکہ میں ایسے آئے کہ خود بھی واپس نہیں آئے۔ اس کی خاص وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق جو مصر کے گورنر تھے۔ بہت

لوگوں کے خیالات اچھے نہ تھے اور عمار نے اپنی سادگی کی وجہ سے منصوبہ بازوں کی ہر ایک بات پر یقین کر لیا لیکن باقی تینوں مقامات پر یعنی بصرہ کوفہ اور دمشق میں جو آدمی بھیجے گئے تھے وہ بے لاگ اور پایہ کے آدمی تھے۔ انہوں نے تحقیقات کے بعد گورنروں کے مظالم کی کہانیوں کو از سرتا پا جھوٹا پایا۔ اور اسی کے مطابق آکر دربار خلافت میں رپورٹ کی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ نے تمام اطراف ملک میں یہ پیغام بھیجا کہ آیندہ حج کے موقعہ پر سب گورنر حاضر ہوں گے جس جس جگہ کسی شخص کو ان کے خلاف کوئی شکایت ہے وہ اس موقعہ پر حاضر ہو کر اپنی شکایت بیان کرے۔ اس سے زیادہ شکایات کے سدباب کے لئے اگر واقعی کوئی صحیح شکایات تھیں، حضرت عثمانؓ کچھ نہ کر سکتے تھے معتبر آدمی بھیج کر تحقیقات کر لی گئی اور پھر لوگوں کو عام اعلان کے ذریعے سے اطلاع دیدی گئی کہ اجتماع حج کے بعد جب سب گورنر موجود ہوں گے جو شخص چاہے اپنی شکایات پیش کرے۔ حج کا موقعہ آیا اور سب گورنر حاضر ہوئے مگر شکایت کرنیوالا کوئی نہ تھا فی الحقیقت بات وہی سچ تھی جو تحقیقات کرنیوالوں نے بھی بیان کی تھی۔

کہ کوئی ظلم کسی جگہ بھی نہیں ہو رہا۔ آخر حضرت عثمان نے گورنروں اور دیگر لوگوں سے مشورہ کیا کہ اس منصوبہ بازی اور شرارت کا سدباب کس طرح کیا جائے۔ جو رائے دی گئی وہ یہی تھی کہ سرغنوں کو کوئی سخت سزا دی جائے۔ اور اس پر حضرت عثمان راضی نہ ہوتے تھے۔ کسی مسلمان کی خونریزی یا مسلمانوں کے اندر فساد وہ دیکھنا نہ چاہتے تھے اس لئے کانفرنس سے بھی شرارت کا سدباب کچھ نہ ہوا۔ چلتے وقت حضرت معاویہ نے حضرت عثمان سے عرض کیا کہ شرارت ترقی پر ہے یا تو آپ مجھے اجازت دیں کہ کچھ فوج آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دوں اور یا آپ دمشق چلے چلیں۔ مگر حضرت عثمان نے ان دونوں باتوں کو بھی نامنظور کیا۔ اور کہا کہ میں اس مقام کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں جہاں رسول اللہ صلعم مدفون ہیں۔ اور فوج کا بوجھ اپنی جان کی حفاظت کے لئے میں بیت المال پر نہیں ڈالتا۔

شوال ۳۵ھ مارچ ۵۶ء

مفسدوں کا مدینہ پر حملہ ادھر گورنر مدینہ میں جمع تھے ادھر مفسدوں نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ ان کی غیر حاضری میں ہر جگہ سے آدمیوں کی کافی تعداد لیکر بصرہ اور کوفہ اور مصر کے قافلے ایک ہی وقت مدینہ پہنچیں

اور حضرت عثمانؓ کو گورنروں کے موقوف کرنے کے لئے مجبور کریں۔ اور اگر رضامند نہ ہوں تو اُن سے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کیا جائے اور اگر وہ خوشی سے خلافت سے الگ نہ ہوں تو پھر تلوار سے کام لیا جائے۔ مگر یہ پوری تیاری نہ کر چکے تھے کہ گورنر واپس پہنچ گئے۔ اس لئے اس وقت یہ تجویز رک گئی۔ اگلے سال یعنی ۳۵ھ ہجری شوال کے مہینے میں (مارچ ۶۵۶ء عیسوی) اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور حج کے بہانے سے مختلف قافلے بصرہ اور کوفہ اور مصر سے ایک ہی وقت میں روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر الگ الگ مقامات پر خیمہ زن ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کو جب ان مفسدوں کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے منبر پر چڑھ کر بیان کیا کہ یہ لوگ میرا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے تو مسلمانوں میں ایک ایسی فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی کہ یہ خود اپنی اس کارروائی پر افسوس کریں گے چونکہ اہلِ مدینہ کو اُن کے آنے کا قبل از وقت علم ہو گیا تھا۔ اسلئے دوسرے بھی لوگ ہتھیار بند ہو گئے اور مقابلہ کی آمادگی ظاہر کی۔ ان لوگوں کو جب اس حال کا علم ہوا تو گھبرا گئے

کیونکہ ان کا یہ خیال تھا کہ مدینہ کے لوگ بھی حضرت عثمان سے خوش نہیں۔ اب سرغنوں نے یہ تجویز سوچی کہ اپنا مطلب کسی اور طریق سے حاصل کیا جائے۔ غرض ان کی یہ تھی کہ ایک دفعہ مدینہ کے اندر داخل ہو جائیں۔ پھر اہل مدینہ مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہیں گے۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ چنانچہ اول ان کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ ہماری غرض اور کچھ نہیں۔ صرف حضرت عثمان کے سامنے بعض گورنروں کی شکایات پیش کریں گے اور ان کی تبدیلی کی درخواست کریں گے انہوں نے کہا یہ تمہاری بات قابل قبول نہیں۔ اور ظاہر بھی تھا کہ شکایات کے پیش کرنے کے لئے ایک وقت تینوں مقامات سے کس طرح یہ لوگ جمع ہو گئے۔ سازش صاف نظر آتی تھی۔ وہاں سے ناکام ہو کر حضرت علی کے پاس گئے۔ جو ابن سبا کی تجویز کے مطابق رسول اللہ صلعم کے وصی تھے۔ انہوں نے خیال کیا کہ وہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ مگر وہ خود ان مفسدوں کے مقابلہ کے لئے تیار تھے اور انکو دھتکار کر نکال دیا۔ اسی طرح اہل کوفہ زبیر کے پاس پہنچے اور وہی مقصد ظاہر

کیا اور اہل بصرہ طلحہ کے پاس پہنچے۔ لیکن ان دونوں نے بھی اُن کو وہی جواب دیا۔ جو حضرت علی نے دیا تھا۔ چونکہ اہل بصرہ حضرت عثمان کے بعد طلحہ کی خلافت کو چاہتے تھے اور اہل کوفہ زبیر کی۔ اس لئے انہوں نے سمجھا کہ یہ لوگ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے مگر یہ بزرگ صحابہ ایسے خیال پر لعنت بھیجتے تھے کہ ایسے مفسدوں کے ساتھ ہو کر ایک ایسا ذلیل کام کریں۔ جب سب طرف سے ناکام ہوئے تو اب انہوں نے دوسری طرح مطلب نکالنے کی کوشش کی اور بظاہر اپنے فعل پر اظہار ندامت کر کے صرف یہ درخواست کی کہ مصر کا والی بدل دیا جائے اور اس کی جگہ محمد بن ابوبکر کو مقرر کر دیا جائے۔ حضرت عثمان نے ان کی اس درخواست کو قبول کر لیا۔ اور محمد بن ابی بکر کے تقرر کا پروانہ ان کو دے دیا۔ اور یہ تینوں گروہ بظاہر خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

جعلی خط اور مدینہ میں داخلہ

جب مفسد واپس ہو گئے تو اہل مدینہ خوش ہوئے کہ فساد رفع ہو گیا اور وہ سب اطمینان سے اپنے کاروبار میں لگ گئے مگر ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ اچانک تینوں گروہ پھر آموجود ہوئے

اور اہل شہر کی بے خبری کی حالت میں مدینہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی چند آدمیوں کو ساتھ لیکر اُن سے ملے اور وجہ دریافت کی تو انہوں نے والیٔ مصر کے نام کا ایک خط دکھایا جس پر بظاہر حضرت عثمان کی مہر تھی اور جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب یہ مفسد لوگ مصر میں واپس پہنچیں تو ان کو قتل کر دو یا یہ یہ سزا دو۔ اور اپنی معزولی کا حکم غلط سمجھو۔ حضرت علی فوراً اصلیت کو تاڑ گئے۔ اور اُن سے دریافت کیا کہ یہ کس طرح ہوا کہ اس خط کا قاصد تو مصر کے رستہ پر جا رہا تھا اور اس خط کو لیکر تم تینوں گروہ یعنی اہل بصرہ اہل کوفہ اور اہل مصر اکٹھے واپس آ گئے ہو۔ کیونکہ بصرہ کا راستہ اور تھا۔ کوفہ کا اور مصر کا اور۔ جہاں خط کا ملنا بتایا جاتا تھا وہ جگہ مدینہ سے اس قدر فاصلہ پر تھی کہ اتنی جلدی وہ ایک دوسرے کو اطلاع دیکر واپس نہ آ سکتے تھے اصل بات یہ تھی کہ ان مفسدوں نے جب اہل مدینہ کی تیاری کی وجہ سے اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا کہ مدینہ میں داخل ہو سکیں تو یہ سازش کی کہ سر دست یہاں سے چلے جائیں تاکہ اہل مدینہ غافل ہو جائیں۔ اور پھر کوئی بہانہ بنا کر واپس آئیں۔ اسی بہانہ کے لئے یہ جعلی خط بنایا گیا۔ اگر یہ خط اصلی ہوتا تو اہل مصر تو اسے لیکر

واپس مدینہ پہنچ سکتے تھے۔ مگر باقی دو گروہ یعنی اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی اول تو واپس آنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور ہوتی بھی تو مدینہ پہنچ کر ہی ان کے پیچھے قاصد بھیجا جا سکتا تھا۔ اور اس وقت تک وہ شاید بصرہ اور کوفہ پہنچ چکے ہوتے۔ یہ جعل تینوں گروہوں کے سرغنوں نے مشورہ سے پہلے سے تجویز کیا تھا اور اسی سازش کے مطابق ایک ہی وقت اپنے اپنے رستوں سے یہ تینوں واپس آ گئے کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت عثمان کی مہر تھی لیکن کیا مہر جعلی نہ بن سکتی تھی۔ حضرت عثمان کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے جو جواب دیا اس میں یہی اشارہ تھا کہ مہر جعلی بن سکتی ہے۔ رہا یہ کہ حضرت عثمان کا نوکر یہ خط لے جا رہا تھا یہ بھی ان مفسدوں کا جھوٹ تھا۔ اگر یہ بات تھی تو انہیں حضرت عثمان کے اس نوکر کو پیش کرنا چاہیئے تھا کہ سب صحابہ ان کے دعویٰ کی صداقت کے قائل ہو جاتے۔ مگر باوجود حضرت عثمان کے اس مطالبہ کے کہ گواہ پیش کئے جائیں یہ لوگ کوئی گواہ پیش نہیں کر سکے۔ بعض لوگوں کا خیال ہوا کہ مروان نے خط لکھا ہو گا لیکن ایسی صورت ہوتی تو بھی اس ایک ملازم کے پیش کر دینے سے سب حقیقت کھل جاتی

اور بات بالکل صاف ہو جاتی مگر کسی بھی شہادت کا پیش نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ محض جعل تھا۔ غرض حضرت علیؓ نے جب یہ اعتراض کیا کہ اگر خط مصر کے رستے پر جا رہا تھا تو تم تینوں گروہ اکٹھے کس طرح واپس آ گئے تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور صرف یہی کہا کہ خلیفہ کی مہر اس پر موجود ہے۔ آپ جو چاہیں سمجھیں۔ پھر حضرت علی انہیں حضرت عثمان کے پاس لے گئے وہاں وہ نہایت گستاخی سے پیش آئے۔ خط کے پیش کیا جانے پر حضرت عثمان نے قسم کھا کر کہا۔ کہ نہ میں نے یہ خط لکھا نہ مجھے اس کا کوئی علم ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ پھر یہ مہر کس طرح لگی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ حضرت عثمان جیسے راستباز کا حلف اٹھانا ایک طرف اور کسی شہادت کا نہ ہونا دوسری طرف اس بات کا قطعی ثبوت تھا کہ کم از کم اس میں حضرت عثمانؓ کا کوئی قصور نہیں مگر انکی نیت تو کچھ اور تھی نہایت گستاخی سے کہا کہ اگر یہ خط آپ نے لکھا ہے تو بھی آپ خلافت کے اہل نہیں اور اگر کسی اور نے لکھا ہے یعنی دوسرا بھی امور سلطنت میں دست اندازی کر سکتا ہے تو بھی آپ خلافت کے اہل نہیں اسلئے آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں حضرت عثمان نے فرمایا کہ جو خلعت خدا نے مجھے پہنایا ہے اسے میں پھینک نہیں سکتا۔ اگر تم میری

غلطی بتاؤ تو اس کی اصلاح کے لئے تیار ہوں انہوں نے کہا اب یہ وقت نہیں رہا۔ اب دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی یا تو آپ دستبردار ہو جائیں یا ہم جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ آپ کو دستبرداری پر مجبور کر دیں یا آپ کا فیصلہ کر دیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا موت سے میں خوف نہیں کرتا اور اسے سہل سمجھتا ہوں۔ رہا جنگ کرنا۔ اگر میں اس بات کیلئے تیار ہوتا تو آج ہزاروں آدمی یہاں میرے پاس ہوتے اور میری طرف سے لڑنے کو تیار رہوتے۔ مگر میں اس بات کے لئے تیار نہیں کہ مسلمانوں میں خونریزی کا موجب بنوں۔ ان باتوں کے بعد مفسد اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مفسدوں کی باغیانہ حرکات اور حضرت عثمان پر زیادتی

شہر پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ اور صحابہ و دیگر اہل مدینہ مع حضرت عثمان کے گویا ان کے قبضہ میں تھے یہ لوگ مسجد میں نمازوں میں بھی آتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان نے کچھ بولنا چاہا تو انہوں نے ان کے منہ پر مٹی پھینکی اور انکے ساتھیوں کو ہٹا دیا۔ سرغنے حضرت عثمان کو عوام الناس کے سامنے کوئی بات کرنے کا موقعہ نہ دیتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر ان کے ساتھیوں پر اصلیت ظاہر ہوگئی تو سب کام بگڑ جائے گا جمعہ

کا دن آیا تو حضرت عثمان بعد نماز منبر پر چڑھے اور باغیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ تم پر رسول اللہ صلعم نے سخت لعنت کی ہے تم توبہ کرو۔ اور ان حرکات سے باز آجاؤ۔ یہ اس پیشگوئی کیطرف اشارہ تھا جو حضرت علی اور طلحہ اور زبیر ان لوگوں کو ان کی پہلی آمد کے موقعہ پر بتا چکے تھے یعنی جن جن مقامات پر ان لوگوں نے ڈیرہ لگایا تھا۔ ان مقامات کا نام لے کر آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ ان جگہوں پر ڈیرہ لگانیوالے لشکروں پر لعنت ہے۔ حضرت عثمان نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ ان لوگوں نے مسجد میں شور برپا کر دیا۔ بعض بڑے بڑے صحابی یعنی زید بن ثابت اور محمد بن مسلم حضرت عثمان کی بات کی تائید کے لئے اُٹھے۔ مگر ان شریروں نے انہیں پکڑ کر بٹھا دیا اور ساتھ ہی صحابہ پر اور اہل مدینہ پر پتھر برسانے شروع کئے۔ اور اس طرح انہیں مسجد سے نکال دیا۔ ایک بدمعاش نے حضرت عثمان کے ہاتھ سے عصا چھین کر توڑ ڈالا۔ اور وہ پتھروں کی بوچھاڑ سے زخمی ہو کر گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ لوگ ان کو اٹھا کر گھر لے گئے اس کے بعد حضرت عثمان کا مسجد میں آنا روک دیا گیا۔ اور ان کے گھر کو محصور کر لیا

گیا لیکن حضرت علی اور طلحہ اور زبیر نے اپنے اپنے فرزندوں کو حضرت عثمان کے گھر کے دروازہ پر مسلح کر کے بٹھا دیا۔ تاکہ مفسد اندر گھسنے نہ پائیں۔ اور ایک چھوٹی سی جماعت اہل مدینہ کی دروازہ پر رہتی تھی۔ مفسد بھی اہل مدینہ کے اپنے خلاف اس اتفاق سے گھبراتے تھے اور کشت و خون تک نوبت پہنچانے سے خائف تھے لیکن حضرت عثمان کے گھر کے محاصرہ میں یہاں تک سختی کی نوبت پہنچی کہ گھر میں پانی جانا بھی بند کر دیا۔ حضرت علی نے اُن کو سمجھایا کہ جو سلوک وہ خلیفۂ وقت سے کر رہے ہیں وہ تو ایک کافر دشمن سے بھی جائز نہیں۔ مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ آخر حضرت اُم حبیبہ نے خود ایک خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان کو پانی پہنچانا چاہا مگر ان بدمعاشوں نے ام المومنین کا بھی لحاظ نہ کیا۔ اور ایسی گستاخی سے پیش آئے کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑتیں

ان واقعات پر ایک سوال فوراً ہر شخص کے دل میں اُٹھے گا کہ اہل مدینہ جن میں حضرت علی۔ طلحہ۔	مسلمان تلوار اُٹھانے میں پہل نہ کرتے تھے۔

اور زبیر جیسے حضرات موجود تھے۔ باغیوں کی ان سب حرکات پر خاموش کیوں تھے۔ اور ان امور کا کچھ انسداد کیوں نہ کرتے تھے۔ کیا انکا فرض

نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیئے اپنی جانیں قربان کر دیتے؟ اس کی اصل وجہ کو نہ جاننے کی وجہ سے بہت سے مورخین کو بھی ٹھوکر لگی ہے۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ گو حضرت علی طلحہ زبیر جیسے انسان باغیوں کے ساتھ نہ تھے اور نہ ان مفسدوں کی سازش میں شامل تھے لیکن انہوں نے خاموش بیٹھ کر حضرت عثمانؓ کی شہادت کو ضرور دیکھا۔ گویا حضرت عثمانؓ سے بھی وہ خوش نہ تھے اور اس لئے خاموش بیٹھے دیکھتے تھے کہ جو ہونا ہے سو ہو جائے یہ بالکل خلافِ واقعات ہے۔ اصل حالت یہ تھی کہ باغی مدینہ پر قابض ہو چکے تھے اور اہل شہر بالکل دب چکے تھے۔ اور باغی مدینہ پر متصرف ہونیکی وجہ سے جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ دوسرا سوال حضرت عثمانؓ پر جانیں فدا کرنے کا ہے۔ جہاں تک ہو سکتا تھا ایک جماعت اہل مدینہ کی اس غرض کیلئے مسلح ہو کر حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر بیٹھ گئی تھی جس میں حضرت علی طلحہ اور زبیر کے بیٹے موجود تھے اور یہ لوگ جانیں فدا کرنے کیلئے ہی وہاں بیٹھے تھے مگر وہ باغیوں پر ہاتھ اس لیئے نہ اُٹھاتے تھے کہ اب تک باغیوں نے کشت و خون تک نوبت نہ پہنچائی تھی ایسے حالات میں تلوار چلانے کے حضرت عثمانؓ خود

مخالف تھے۔ اور اہل مدینہ کا فرض تھا کہ خلیفہ وقت کے حکم سے انحراف
نہ کریں۔ جب خلیفہ نے علی الاعلان سب لوگوں کو مفسدوں پر تلوار
اٹھانے سے روک دیا اور تاکیدی حکم اس بارہ میں دیا کہ کوئی مسلمان اُن
لوگوں پر تلوار نہ اٹھائے تو اب کیا چارہ تھا۔ ماسوا اس کے خود اہل مدینہ
کا بھی یہی خیال تھا کہ ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تلوار نہیں
اٹھائی جا سکتی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں چونکہ یہ امر
داخل ہو چکا تھا کہ کفار پر بھی تلوار اٹھانے میں پہل نہیں کی جا سکتی۔ اس
لئے وہ مسلمانوں پر تلوار اٹھانے میں پہل کرنے کے خلاف تھے اور مفسدوں
کی سب زیادتیوں کو برداشت کر رہے تھے مگر تلوار نہ اٹھاتے تھے۔ ہاں
اس امر کیلئے تیار تھے کہ اگر مفسد پہلے تلوار اٹھائیں تو پھر ان کا جواب تلوار
سے دیں۔ اور حضرت عثمانؓ پر اپنی جانوں کو فدا کر دیں۔ دوسری طرف
مفسد بھی تلوار اٹھانے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ اسلئے کہ گو چند سرغنے
شریر بھی تھے مگر عام لوگ جو ساتھ ہو گئے تھے وہ محض دھوکے میں
تھے۔ اور ان کو اس بات پر راضی نہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں پر تلوار
اٹھائیں جب تک وہ پہل نہ کریں۔ پس نہ مفسد تلوار اٹھاتے تھے نہ اہل مدینہ اور یہی

وجہ تھی کہ مفسد صرف دباؤ سے کام نکالنا چاہتے تھے۔ اور اہل مدینہ بھی خاموش تھے اور انہیں یہ خیال نہ تھا کہ باوجود ایسی ساری دھمکیوں کے مفسد حضرت عثمان کا کیا کسی مسلمان کا خون گرانے کی جرأت کرینگے۔ حضرت عثمان کی زندگی کے یہ واقعات اس بات کی صاف شہادت ہیں کہ مسلمان کسی قوم پر تلوار اٹھانے میں پہل نہ کرتے تھے۔ اور یہی قرآن کریم کی صریح تعلیم تھی۔

حضرت عثمان کا لوگوں کو حج کے لئے روانہ کرنا

یہی حالات تھے کہ حج کا موسم آگیا۔ حضرت عثمان اس حالت میں بھی اپنے فرائض سے غافل نہ تھے۔ اگرچہ ان کی باہر کی آمدورفت بند تھی۔ اس لئے کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر انہوں نے مناسب ہدایات دیں اور حج کے قافلہ پر حضرت ابن عباس کو امیر مقرر کر کے انہیں جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس بھی ان لوگوں میں سے تھے جو شب و روز حضرت عثمان کے دروازہ پر مسلح رہتے تھے اور نہ چاہتے تھے کہ اس مقدس فرض کو چھوڑ کر جائیں مگر خلیفہ وقت کی اطاعت کیلئے بہرحال یہ لوگ حاضر تھے۔ اور بھی بعض لوگ حج کو چلے گئے۔ حضرت عائشہ بھی حج کو گئیں

اور انہوں نے چاہا کہ محمد بن ابو بکر کو بھی ساتھ لیجائیں جو مفسدوں کے سرغنوں میں سے ایک تھا مگر اس نے منظور نہ کیا۔ ایسے حالات میں لوگوں کا حج کو نکلنا صاف بتاتا ہے کہ اہل مدینہ بالکل مطمئن تھے کہ مفسد خونریزی نہیں کرینگے۔ دوسری طرف حضرت عثمان نے یہ دیکھکر کہ یہ لوگ اپنے ناجائز مطالبات کو نہیں چھوڑتے۔ ایک طرف حاجیوں کو ایک پیغام بھیجا جس میں یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ محض شرارت اور فساد انگیزی پر آمادہ ہیں اور مجھے بدنام کر رہے ہیں حالانکہ میں نے کوئی امر ایسا نہیں کیا جس پر گرفت کی جا سکے اور یہ اب دوسرے لوگوں کو بھی میری اطاعت سے باہر نکلنے کی تحریک کرتے ہیں اور دوسری طرف مختلف گورنروں کے نام بھی خطوط لکھے کہ ان لوگوں کی شرارت اب حد سے بڑھ گئی ہے۔ اسلئے اسکے انسداد کا انتظام کرنا چاہئیے۔ ان خطوط کے لکھنے سے حضرت عثمان کا منشا صرف اس قدر تھا کہ اگر باہر سے کچھ لوگ آجائیں تو یہ مفسد خود دب جائینگے اور اپنی شرارت سے باز آجائینگے

حضرت عثمان کی شہادت ادھر مفسدوں نے جب دیکھا کہ حج کے موقعہ پر ان کی شرارتوں کا علم عام لوگوں کو ہو جائیگا اور دوسری طرف باہر سے افواج آجائیں گی۔ اور اس طرح وہ اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو جائیں گے۔

ذوالحجہ ۳۵ھ

اور اس وقت مدینہ بھی قریباً خالی پڑا تھا تو انہوں نے اپنا آخری وار کرنے میں جلدی کی۔ ۱۰۔ ذوالحج ہوگئی تھی اور حج سے واپس ہونیوالے لوگ دوچار دن میں پہنچنے والے تھے۔ اہل مدینہ کے مسلح گروہ پر جو حضرت عثمان کے دروازہ پر بیٹھا تھا ان لوگوں نے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ یہانتک کہ جنگ کی نوبت پہنچی مگر جگہ تنگ تھی اور یہ چھوٹی سی جماعت تھی۔ تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد یہ محافظ گروہ دروازہ کے اندر ہوگیا۔ اور دروازہ بند کرلیا۔ دروازہ کو توڑنے کی کوشش بھی ناکام ہوئی ادھر ان مفسدوں نے یہ سوچا کہ کسی دوسرے رستے حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہو کر انہیں قتل کردیا جائے چنانچہ چند سرغنے ایک ہمسایہ کے گھر کے اوپر سے پھاند کر حضرت عثمان کے اندرونی مکان میں جہاں وہ اپنے اہل کے ساتھ تھے پہنچ گئے حضرت عثمان اس وقت قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اور کھلا ہوا قرآن شریف ان کے سامنے تھا۔ پہلے مفسدوں کو جرأت نہ ہوئی کہ ایک بیگناہ کے خون کا بوجھ اپنے سر پر لیں۔ آخر محمد بن ابوبکر آگے بڑھا اور آپ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے صرف اسقدر کہا کہ میرے بھائی کے بیٹے اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو تجھ سے کبھی ایسا سلوک نہ کرتا

محمد بن ابو بکر شرمندہ ہو کر واپس ہو گیا۔ پھر دوسرے بدمعاش بڑھے اور اپنی تلواریں حضرت عثمان پر چلائیں۔ حضرت عثمان کی بیوی نائلہ جو وہاں موجود تھیں درمیان میں آئیں کہ انہیں بچائیں۔ انکی بھی انگلیاں تلوار سے کٹ گئیں۔ چند صدام جو گھر کے اندر تھے انہوں نے مقابلہ کرنا چاہا اور ایک شخص کو قتل بھی کیا۔ مگر یہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے آخر زخم کھا کر حضرت عثمان گرے اور بیاسی[۸۲] سال کی عمر میں روح اس جسم خاکی سے پرواز کر کے اپنے مولی سے جا ملی۔ ادھر حضرت عثمان کی شہادت کی خبر دروازہ پر پہنچی تو لوگ انکی طرف دوڑے۔ مگر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔ دوسری طرف باغیوں کی غرض پوری ہو گئی تھی اب انہوں نے فوراً خزانہ کا رخ کیا۔ مگر بیت المال میں کچھ آتا تھا وہ سب مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر شہر میں مشہور ہونے پر سب لوگ ششدر رہ گئے۔ مگر شہر باغیوں کے تسلط میں تھا اور سب لوگ اب اور مقابلہ کو فضول سمجھ کر خاموش اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔ حضرت عثمان کی لاش بھی تیسرے دن مشکل سے رات کے وقت سپرد خاک ہوئی۔

یہ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان کی کمزوری سے یہ واقعات رونما

حضرت عثمان نے اپنے آپ کو اتحاد اسلام پر قربان کیا

ہوئے۔ یوں تو کوئی انسان غلطی سے خالی نہیں۔ لیکن واقعات تاریخی حضرت عثمان پر کمزوری کے الزام کو غلط ٹھیرلتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا زمانہ پہلی خلافت کی نسبت امن و آسایش کا زمانہ تھا مگر پھر بھی جو جو واقعات اس میں رونما ہوئے باوجود پیرانہ سالی کے انہوں نے کمال ہمت دکھائی۔ ایران کی بغاوت حضرت عثمان کے زمانہ میں ہی فرو ہوئی۔ اور نہ صرف سارا ملک از سرنو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا بلکہ اب مزید علاقجات کو شامل کرکے حدود کو اور بھی مستحکم کر دیا گیا۔ سکندریہ بھی اسی زمانہ میں دوبارہ فتح کیا گیا۔ بحری لڑائیوں کی ابتدا بھی اسی زمانہ میں ہوئی۔ آرمینیا وغیرہ کے علاقجات بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے۔ اگر حضرت عثمان کمزور ہوتے تو نئی فتوحات تو ایک طرف رہیں۔ اس قدر وسیع ملک کو بغاوت سے بھی حفاظت نہ کر سکتے۔ مسلمانوں کا قدم حضرت عثمان کے عہد خلافت میں پیچھے نہ ہٹا بلکہ آگے بڑھا۔ اور سلطنت کو اس قدر استحکام حاصل تھا کہ باوجود بعض مفسدوں کی شرارتوں کے اور باوجود اسکے کہ اسکے بعد اختلاف رونما ہو گیا سلطنت اسلامی کو ذرا زوال نہیں آیا۔ پس حضرت عثمان پر

کمزوری کا الزام صحیح نہیں۔ ان شریروں کے خلاف بھی جنہوں نے اُن کو تباہ کرنے کی ٹھانی ہوئی تھی۔ حضرت عثمان نے کمزوری نہیں دکھائی مگر وہ مسلمانوں کی زندگی کی حرمت کا خیال تھا جس نے حضرت عثمان کے ہاتھ کو روک دیا۔ انہوں نے اس بات کو قبول کر لیا کہ اپنی جان دے دیں مگر مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کو گوارا نہ کیا۔ اور نہ چاہا کہ مسلمانوں سے مسلمانوں پر تلوار چلوائیں اور یوں خلافت اسلامی میں تفرقہ کی بنیاد ڈالیں۔ یوں کہنا چاہیئے کہ حضرت عثمان نے اپنے آپ کو اتحاد اسلام پر قربان کر دیا اور یوں خلافت راشدہ کے اس پہلو کو نمایاں کیا کہ اتحاد اسلام کس قدر زبردست چیز ہے اور مسلمان کو مسلمان پر تلوار اٹھانے میں کس قدر متامل ہونا چاہیئے۔ آج یہی سبق ہے جسے مسلمانوں نے بھلا رکھا ہے۔ اور وہ سب سے پہلے اپنوں کی تباہی کے درپے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی زندگی اگر رسول اللہ صلعم کے استقلال کے پہلو کو روشن کرنیوالی تھی کہ کس طرح چاروں طرف سخت مصائب میں گھر جانیکے باوجود آپ نے ہمت نہیں ہاری۔ اور حضرت عمر کی زندگی اگر آنحضرتؐ کی زندگی کے قوت اور غلبہ کے پہلو کو روشن کرنیوالی تھی تو حضرت

عثمان کی زندگی آنحضرت صلعم کی اپنی اُمت کیلئے محبت کے پہلو کو روشن کرنیوالی تھی۔ حضرت عثمان میں حیا کی صفت کا غلبہ وہ چیز ہے جسے خود آنحضرت صلعم نے بھی سراہا۔ اسی صفت حیا کا یہ کامل نمونہ خلافت راشدہ میں بھی ظاہر ہوا۔ خلافت راشدہ درحقیقت آنحضرت صلعم کی زندگی کا ہی ایک حصہ ہے۔ اور اس میں آپ کی زندگی کے ہی مختلف پہلو ظاہر ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر کی زندگی میں اگر آپ کی ایک صفت ظاہر ہوئی تو حضرت عمر کی زندگی میں ایک اور صفت کا اظہار ہوا اور حضرت عثمان کی زندگی میں تیسری صفت کا اظہار ہوا۔

حضرت عثمانؓ اور اسلامی بیت المال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جو خدمات اسلامی حضرت عثمان کے ہاتھ سے ہوئیں وہ بتاتی ہیں کہ وہ ایک بہت بڑے مالدار تاجر تھے اور اس کے ساتھ ہی نہایت درجہ کے فیاض بھی تھے۔ اس تنگی کے زمانہ میں بھی انہوں نے ہزاروں نہیں لاکھوں روپوں سے اسلام کی مدد کی پس جب مسلمانوں پر ثروت کا زمانہ آیا تو ظاہر ہے کہ اسی کے مطابق حضرت عثمان کے مال و دولت میں بھی ترقی ہوئی ہوگی۔ مگر مال و زر کی رسول اللہ صلعم کے صحابہ کے دلوں میں کوئی قدر و منزلت

نہ تھی۔ جس طرح حضرت عثمانؓ نے لاکھوں روپے امداد دین میں خرچ کئے یہی فیاضی انہوں نے اپنے رشتہ داروں سے بھی برتی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک صاحبزادی کے جہیز میں ایک لاکھ درہم دیئے مگر یہ اُن کا ذاتی مال تھا جو شخص ضرورت پیش آنے پر لاکھوں روپے دیدیتا ہو وہ اگر صلہ رحمی کے طور پر ایک لاکھ دیدے تو یہ کوئی عیب نہیں۔ ہاں حضرت عثمانؓ کا دامن اس الزام سے پاک ہے کہ انہوں نے بیت المال سے روپیہ لیکر داد و دہش کا دروازہ کھولا ہو۔ بلکہ جسقدر اپنا مال تھا وہ بھی سب خدا کے رستے میں صرف کر دیا اور بیت المال میں سے اپنے ذاتی اخراجات کیلئے وہ کچھ نہ لیتے تھے حالانکہ خلیفہ کے لئے وظیفہ مقرر تھا مگر انہوں نے وہ بھی نہیں لیا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر انہوں نے سب مسلمانوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جسے طبری نے نقل کیا ہے اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:-

"جب حکومت میرے سپرد ہوئی تو عرب میں میں سب سے بڑھکر اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا۔ لیکن آج میرے پاس نہ کوئی بکری ہے اور نہ اونٹ سوائے دو اونٹوں کے جو حج کیلئے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟ لوگوں نے کہا سچ ہے...... اور کہتے ہیں میں نے ابن ابی سرح کو غنیمت کا مال دیدیا ہے اور میں نے اسے مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ دیا ہے اور وہ ایک لاکھ ہے اور اسکی مثل ابوبکر اور عمر بھی دیتے تھے لیکن

جب لوگوں نے کہا کہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں تو میں نے وہ بھی اس سے واپس کرا دیا [1] ..... اور کہتے ہیں میں اپنے قریبیوں سے محبت کرتا ہوں اور انہیں مال دیتا ہوں۔ سو جہاں تک میری محبت کا سوال ہے تو وہ ان کے ساتھ ہو کر کسی ظلم پر مائل نہیں کرتی بلکہ جو ان پر حقوق ہیں وہ میں ان پر ڈالتا ہوں۔ اور جہانتک میری انکے ساتھ فیاضی کا سوال ہے تو میں جو کچھ انکو دیتا ہوں اپنے مال سے دیتا ہوں اور مسلمانوں کے مال کو نہ میں اپنے لئے جائز سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کیلئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں اپنے کمائے ہوئے مال سے بڑی بڑی قسمیں دیتا رہا ہوں حالانکہ میں اسوقت بخیل و حریص تھا اور اب جبکہ میں اپنے خاندان کی عمر کو پہنچ چکا ہوں اور میری عمر ودیعت ہو چکی ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا اپنے اہل کو سپرد کر چکا ہوں تو ملحد لوگ یہ باتیں میرے متعلق کہتے ہیں۔ اور خدا کی قسم ہے میں نے شہروں میں سے کسی شہر پر کوئی زائد ٹیکس نہیں ڈالا کہ ایسی بات میرے متعلق کہی جاسکے۔ اور میں نے یہ اموال انہی لوگوں پر ہی خرچ کئے ہیں۔ میرے پاس صرف پانچواں حصہ آتا ہے اور اس سے بھی میں نے اپنے لئے کچھ حلال نہیں سمجھا۔ اور وہ میں نہیں مسلمان مستحقین پر خرچ کرتے ہیں اور خدا کے مال میں ایک پیسے کا بھی تصرف نہیں ہوتا۔ میں اس سے کچھ نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ جو کھاتا ہوں اپنے ہی مال سے کھاتا ہوں۔" [2]

اس خطبہ کے ایک ایک لفظ کی تصدیق بھری ہوئی مسجد میں سب مسلمانوں

[1] طرابلس کی جنگ سے پہلے حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ فتح کی صورت میں اسے مال غنیمت کا کچھ حصہ دیا جائیگا اسی وعدہ کے مطابق ایک فاتح جرنیل کو یہ دیا تھا مگر جب لوگوں نے اعتراض کیا تو اسے واپس کرا دیا۔ [2] طبری جلد ۵ صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳

نے کی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے ایام خلافت میں اپنے نفس کیلئے بیت المال سے کچھ بھی نہیں لیا حالانکہ انکا حق تھا۔ سارے مال کو قوم کی بہتری پر ہی صرف کیا اور خود اس مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ بلکہ اپنا کمایا ہوا مال بھی اور وہ لاکھوں کے مالک تھے۔ سب کا سب اپنی وفات سے پیشتر اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دیا۔ اور یوں اپنے آپ کو خلافت نبوی کا اہل ثابت کیا۔

حضرت عثمان کا عہد حکومت حضرت عمر کے زمانے میں فتوحات اسلامی ایسی تیز رفتاری سے ہوئیں اور بڑی سے بڑی سلطنتیں مسلمانوں کے مقابلہ میں اس طرح گرتی چلی گئیں کہ انکے مقابل پر بعد کی فتوحات کی کوئی عظمت نظر نہیں آتی مگر امر واقع یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں سلطنت اسلامی کی قوت میں کوئی کمزوری کے آثار نظر نہیں آتے۔ بغاوت کا فرو کرنا ملک گیری سے کم نہیں۔ اور حضرت عثمان کو ابھی خلیفہ ہوئے چھ ماہ ہی گذرے تھے کہ ایران میں بغاوت ہو گئی جس کے فرو کرنے میں حضرت عثمان نے اس قدر قوت کا ثبوت دیا کہ نہ صرف مفتوحہ علاقوں کو باغیوں سے بالکل پاک صاف کر دیا بلکہ ضرورتاً کچھ مزید علاقوں کو بھی سلطنت اسلامی میں ملایا۔ ایران کی بغاوت

کے فرو کرنے میں افغانستان۔ ترکستان اور خراسان کے بعض حصے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ ادھر یہ بغاوت فرو ہوئی تھی ادھر قیصر نے شام پر حملہ کر دیا۔ یہاں بھی اسلامی افواج نے بڑی قوت سے قیصر کا مقابلہ کر کے نہ صرف اسلامی علاقہ کو دشمن سے صاف کیا بلکہ بہت سا مزید علاقہ ارمینیا اور آذربائیجان کا اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کا سلطنت اسلامی کا جزو بن گیا بلکہ اسی زمانہ میں بحری فتوحات کا آغاز بھی ہوا اور جزیرہ قبرس مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ مصر پر بھی قیصر کا حملہ ہوا اور اسکندریہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا مگر حضرت عثمان کی افواج نے نہ صرف اسکندریہ پر دوبارہ قبضہ کیا بلکہ مغرب کی طرف قیصر کی افواج کا خاتمہ کرنے کیلئے ادھر کا رخ بھی کیا اور الجزائر اور مراکش سلطنت اسلامی کا حصہ بن گئے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کے عہد حکومت میں سلطنت اسلام اپنی پوری قوت اور شوکت میں قائم رہی۔ بلکہ سلطنت کا رعب اس قدر تھا کہ باوجود مدینہ کی بغاوت اور خلیفہ کے شہید ہو جانیکے کسی شخص کو سر اٹھانیکی طاقت نہیں ہوئی۔

نظم و نسق اور ترقی کے کام طرز حکومت بھی اس زمانہ میں وہی رہی جو اسلام کیساتھ خاص تھی خلیفہ کے اختیارات اور بیت المال پر تصرف میں کوئی فرق نہ آیا مجلس شوریٰ کا قیام بھی اسی طرح رہا اور تمام امور مشورہ سے طے ہوتے تھے سلطنت کے

مختلف حصوں میں حالات کی اطلاع کے معاملہ میں حضرت عثمان پورے باخبر تھے اور جمعہ کے دن خطبہ سے پیشتر مسجد میں لوگوں سے حالات دریافت کرتے رہتے تھے کسی گورنر یا عامل کی شکایت خلیفۂ وقت تک پہنچانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی اور ہر شکایت کیطرف پوری تندھی سے توجہ ہوتی تھی نظم ونسق اور تمام شعبہ جات حکومت حضرت عمرؓ کے عہد کیطرح قائم تھے بلکہ آمدنی میں ترقی ہوگئی۔ صرف مصر کا خراج بجائے بیس لاکھ کے چالیس لاکھ ہوگیا اور آمدنی کے بڑھ جانے سے ان وظائف میں بھی ترقی ہوئی جو بیت المال سے دیئے جاتے تھے نئی عمارتیں بکثرت تیار ہوئیں سڑکیں پل مسجدیں مہمانخانے مختلف شہروں میں بنوائے گئے مدینہ کو آنیوالے رستوں پر مسافروں کی سہولت کا پورا پورا انتظام کیا گیا۔ چوکیاں چشمے سرائیں بنوائی گئیں۔ مدینہ کی سیلاب سے حفاظت کیلئے ایک بھاری بند بنوایا گیا مسجد نبوی میں بہت توسیع ہوئی اور عمارت بھی از سر نو اور پتھر سے بنوائی گئی۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش کے لئے چراگاہیں وسیع پیمانے پر بنوائی گئیں اور وہاں پانی کا انتظام کیا گیا[1]

قرآن کریم کی خدمت مذہبی خدمات میں حضرت عثمان کا سب سے بڑا کارنامہ مستند نسخہ قرآن کریم کی نقلیں کروا کر اسے بڑے بڑے اسلامی مرکزوں میں رکھوانا ہے۔ حضرت

---

[1] یہ واقعات اجمالاً خلفائے راشدینؓ مصنفہ حاجی معین الدین صاحب ندوی سے لئے گئے ہیں۔

عثمان کی یہ خدمت اسلام اسقدر بڑی ہے کہ اس پر مسلمان جسقدر فخر کریں بجا ہے۔ آج اگر مشرق سے لیکر مغرب تک اور شمال سے لیکر جنوب تک تمام اسلامی فرقوں میں ایک ہی قرآن شریف ملتا ہے تو یہ احسان اسلامی دنیا پر حضرت عثمان کا ہی ہے جب انکو یہ خبر پہنچی کہ لوگ مختلف قرآنوں کے بارے میں اختلاف کرتے اور جھگڑتے ہیں تو انہوں نے وہ مستند نسخہ جو حضرت ابوبکر کے وقت میں حضرت عمر کے مشورہ پر تیار ہوا تھا حضرت حفصہ سے جنکی تحویل میں وہ تھا منگوا کر اسکی چند نقلیں کروائیں اور ایک ایک مستند نسخہ ہر ایک بڑے شہر میں رکھوا دیا تاکہ وہاں کے لوگ اپنے قرآن کریم کے نسخوں کا اس سے مقابلہ کر کے اپنے اپنے نسخے صحیح کر لیا کریں یہ حضرت عثمان کی بے نظیر دور اندیشی تھی۔ اس زمانہ میں جب مطبع کا وجود نہ تھا قرآن کریم کے نسخوں کی حفاظت کا اس سے کوئی بہتر طریق نہ ہو سکتا تھا۔ گو وہ جامع قرآن تو نہ تھے لیکن اس میں شک نہیں کہ انہوں نے ساری اسلامی دنیا کو ہمیشہ کیلئے ایک ہی نسخہ قرآن شریف پر جمع کر دیا۔

عادات و اخلاق حضرت عثمان ابتدا سے ہی ایک پاک فطرت رکھتے تھے اسلام نے اس جوہر کو اور بھی روشن کیا کہ عفت و دیانت کے لحاظ سے وہ ایک مستحکم چٹان کی طرح تھے۔ اور ایام خلافت میں جب دولت مال مسلمانوں میں بافراط آگیا تھا انکی دیانت داری اور عفت و پارسائی میں ایک بال برابر فرق نہیں آیا۔ دولت

انکی نظر میں جس طرح اسوقت ہیچ تھی جب لاکھوں روپے کماتے اور خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کر دیتے تھے اسی طرح جب وہ دنیا کے سب سے بڑے خزانے کے مالک ہوئے تو اس مال و زر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نبی کریم صلعم کی سنت کے اتباع پر مضبوطی سے قائم رہے۔ حیا انکی عادات و اخلاق کا سب سے ممتاز پہلو ہے یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلعم بھی انکے سامنے اس بے تکلفی کو روا نہ رکھتے تھے جس کا اظہار دوسرے صحابہ کے سامنے کر لیتے تھے مثلاً ایکدفعہ جب آپ اس حالت میں بیٹھے تھے کہ آپکا زانو کھلا ہوا تھا اور حضرت ابوبکر اور عمر بھی موجود تھے اتنے میں حضرت عثمان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے کپڑا سنبھال لیا۔ زمانہ خلافت میں باوجود اسکے کہ اسی سال کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ نمازوں کے پورے التزام کیساتھ کہ خود جماعت کراتے تھے تہجد کے بھی پابند تھے۔ مگر رات کو اٹھتے تو کسی نوکر کو اپنی آسائش کیلئے نہ اٹھاتے تھے۔ ہر قسم کی نعمتیں موجود ہوتے ہوئے معمولی لباس اور معمولی کھانے پر اکتفا کرتے تھے بلکہ اپنی بیوی کو بھی بہت قیمتی کپڑا نہ پہننے دیتے تھے۔ ان کی فیاضی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اپنے اور غیر سب سے یکساں فیاضی کا سلوک کرتے تھے۔ مسلمانوں کی محبت اسقدر دل میں تھی کہ اپنی جان دیدی مگر مسلمان پر تلوار چلانے سے نہ صرف خود رکے بلکہ اپنے سب ساتھیوں کو بھی روک رکھا۔

۶۲۳۵

فہرست مضامین (ذوالنورینؓ)

کتاب تاریخ خلافت راشدہ کو بار دوم چار علیحدہ علیحدہ حصوں میں شائع کیا جاتا ہے اور کچھ حالات کی ایزادی کے ساتھ خلفائے راشدین کی سوانح عمریوں کی صورت دے دی گئی ہے .... (مصنف)